سرسید احمد خاں اور تعلیم نسواں

کلیدی الفاظ: تحریک# گزٹ# مستعد# معاشرت# مشن# کمیشن# فرینچ

ڈاکٹر ناصرہ سلطانہ
شعبہء اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

تلخیص: سرسید نے جب تعلیمی تحریک شروع کی تو ان کے سامنے بہت سارے مسائل درپیش تھے ایک فرقہ انگریز مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دینا چاہتا تھا کیونکہ ان کی نظر میں بغاوت کے ذمہ دار زیادہ تر مسلمان ہی تھے اس طرح انہیں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ان مجبوریوں کے پیش نظر تحریک کے آغاز میں عورتوں کا مسئلہ ابھی نہیں چھیڑا گیا تھا لیکن دو قدم آگے بڑھ کر ہی وہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں سوچنے لگے تھے سرسید نے تعلیم نسواں کے سلسلے میں متعدد اپنے مضامین اور اداریے میں اظہار خیال کیا اور انسٹیٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق کے متعدد شمارے اس اجمال کی تفصیل پر گواہ ہیں سرسید نے ایجوکیشن کمیشن کے سامنے اپنے خاندان کی عورتوں کے پڑھے لکھے ہونے کا ذکر کر کے اس کی تردید کی تھی کہ مسلمان عورتیں جاہل ہوتی ہیں سرسید کی چہیتی پوتی سید حامد کی اکلوتی بیٹی احمدین بیگم اپنے دادا سرسید سے گیارہ بارہ سال کی عمر میں خط و کتابت کرتی تھیں ان خطوط سے بھی پتا چلتا ہے کہ سرسید کے خاندان کی لڑکیاں بھی تعلیم یافتہ تھیں اس میں شک نہیں کہ سرسید کا تعلق جس معاشرے کے جس طبقے سے تھا اس طبقے کو فرد کی حیثیت سے خواتین کے بارے میں ان کا رویہ جزبہء تحسین سے مملو نظر آتا ہے اور وہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسائل کو یکسر فراموش نہیں کرتے جو لوگ انہیں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں مستعد نظر آتے ہیں وہ انکی کوششوں کو فراخدلی سے سراہنے سے گریز نہیں کرتے سرسید احمد خاں کا اصل مقصد ہندوستانی مسلمانوں کو ذہنی، معاشرتی اور اخلاقی پستی سے نکالنا تھا سرسید یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ خواب اس وقت تک پورا

نہیں ہوسکتا جب تک مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم واصلاح اور مذہبی عقائد ورسومات کو درست نہ کیا جائے۔

ناکام بغاوت کے بعد سرسید احمد خان (17/اکتوبر 1817، 27/مارچ 1898) کو اس بات کا شدید احساس ہوا کہ مسلمان اس وقت جس پستی اور تباہ حالی میں مبتلا ہیں۔ انھیں اس دلدل سے نکالنے کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔ یعنی ان کی ذاتی جدوجہد اور یہ تب ہی ممکن ہے جب یہ لوگ مؤثر ڈھنگ سے جدید تعلیم حاصل کرلیں گے۔

سرسید انگریزی، سائنس اور سائنسی طرز فکر کے زیادہ قائل تھے۔ اس وجہ سے ان کی بعض حلقوں میں مخالفت بھی ہوئی۔ یہاں تک کہ کفر کا فتوی بھی جاری کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود سرسید نے اپنا مشن جاری رکھا۔ ان کے خلوص اور ان کی نیت کو چند دانشوروں نے سمجھ کر ان کا ساتھ دے دیا اور اس طرح سائنٹفک سوسائٹی (1864 غازی پور) اور دیگر مختلف تعلیمی و فلاحی اداروں کے ساتھ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی بنیاد پڑی۔ اس کالج نے 1920 میں دنیا کی ایک اہم مسلم یونیورسٹی کی شکل اختیار کرلی۔

سرسید نے جب تعلیمی تحریک شروع کی تو ان کے سامنے بہت سارے مسائل درپیش تھے۔ ایک طرف انگریز مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دینا چاہتے تھے کیوں کہ ان کی نظر میں بغاوت کے ذمہ دار زیادہ تر مسلمان ہی تھے۔ اس طرح انھیں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان مجبوریوں کے پیش نظر تحریک کے آغاز میں عورتوں کا مسئلہ ابھی نہیں چھیڑا گیا تھا، لیکن دو قدم آگے بڑھ کر ہی وہ عورتوں کی تعلیم وتربیت کے بارے میں سوچنے لگے۔ انگریز مصلح خاتون میری کی شہرت کا حال سرسید احمد خاں نے بھی سنا تھا اور وہ ان سے ملنے کے لیے بڑے مشتاق تھے پھر خوش قسمتی سے لندن جاتے وقت (1869) حسن اتفاق سے سرسید کی ملاقات جہاز میں سفر کے

دوران ان سے ہوئی تو اس ملاقات کو فائدہ بخش پا کر انھوں نے اپنے سفر نامہ لندن میں لکھا:

''میں سمجھتا ہوں کہ نیک کام پر کوشش ہوئی گو وہ کسی طرح ہو نہایت اچھی ہے۔ کیوں کہ اگر وہ کوشش درست بنیاد پر قائم ہوئی تو وہ خود کامیاب ہوگی۔ بہر حال میں خدا سے چاہتا ہوں کہ مس کارپنٹر کی کوششیں کامیاب ہوں اور ہندوستان میں کیا مرد ہو کیا عورت سچائی اور علم کی روشنی سے جو اصل میں دونوں ایک ہے روشن ضمیری حاصل کریں۔''

ملک پر برطانیہ کا تسلط قائم ہونے اور مغربی خیالات کی ترویج کے باعث ہندوستانیوں کی توجہ تعلیم کی طرف ہونے لگی تھی۔ اور جگہ جگہ تعلیمی ادارے قائم ہونے لگے تھے۔ عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ پوری شدت کے ساتھ زیر بحث آیا تھا اور لوگ اب خواتین کی تعلیم کے حق میں خیال ظاہر کرنے لگے تھے۔ سرسید کے نزدیک یہ صورتِ حال بہت امید افزا تھی، انھوں نے اپنے مذکورہ لیکچر میں کہا:

''بہت سے ایسے مدرسے اور کالج جن کو ہندوستانی قائم کرتے ہیں، بڑے بڑے شہروں مثلاً کلکتہ اور لاہور اور آگرہ، غازی پور کے جابجا قائم ہوتے جاتے ہیں اور عورتوں کی تعلیم خواہ پردے میں خواہ مدرسے میں ہو، اب ایسا سوال نہیں رہا جس پر کچھ حجت اور شک وشبہہ باقی رہے۔''

سرسید نے تعلیم نسواں کے سلسلے میں متعدد اپنے مضامین اور ادارے میں اظہار خیال کیا اور انسٹیٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق کے متعدد شمارے اس اجمال کی تفصیل پر گواہ ہیں۔ سرسید نے ایجوکیشن کمیشن کے سامنے اپنے خاندان کی عورتوں کے پڑھے لکھے ہونے کا ذکر کر کے اس کی تردید کی تھی کہ مسلمان عورتیں جاہل ہوتی ہیں۔ سرسید کی چہیتی پوتی سید حامد کی اکلوتی بیٹی احمد ین بیگم اپنے دادا

سرسید سے گیارہ بارہ سال کی عمر میں خط و کتابت کرتی تھیں۔ان خطوط سے بھی پتا چلتا ہے کہ سرسید کے خاندان کی لڑکیاں بھی تعلیم یافتہ تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ سرسید کا تعلق جس معاشرے کے جس طبقے سے تھا، اس طبقے کو فرد کی حیثیت سے خواتین کے بارے میں ان کا روّیہ جذبۂ تحسین سے مملو نظر آتا ہے اور وہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسائل کو یکسر فراموش نہیں کرتے۔جو لوگ انھیں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں مستعد نظر آتے ہیں وہ ان کی کوششوں کو فراخ دلی سے سراہنے سے گریز نہیں کرتے۔

سرسید کا اصل مقصد ہندوستانی مسلمانوں کو ذہنی، معاشرتی اور اخلاقی پستی سے نکالنا تھا۔سرسید یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ خواب اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا جب تک مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم و اصلاح اور مذہبی عقائد و رسومات کو درست نہ کیا جائے۔اسی لیے سرسید نے 1870ء سے ''تہذیب الاخلاق'' میں عورتوں کی تعلیم کثرت ازدواج اور رفاہِ عام وغیرہ عنوانات پر کئی مضامین لکھے۔سرسید تحریک کے اثر سے بہت جلد ایک معقول اور روشن خیال مسلمان حلقہ بن گیا، جس نے عام مسلمانوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم و اصلاح پر بھی خصوصیت کے ساتھ زور دیا۔علی گڑھ میں ۱۹۰۴ء میں عورتوں کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی جس کے بانی شیخ عبداللہ صاحب تھے۔جس میں عورتوں کی تعلیم اور آزادی کے سلسلے میں بہت سے فیصلے لیے گئے۔'' سرسید کی تحریک پر جب مسلمان لڑکوں کو انگریزی تعلیم دینے کی بات چلی تو مولویوں نے فتویٰ دیا کہ انگریزی تعلیم کفر ہے۔اس وقت لڑکوں کی تعلیم کے ہی لالے پڑے تھے تو بھلا لڑکیوں کو پڑھانے لکھانے کا سوال کہاں پیدا ہوسکتا تھا۔ہندو سوسائٹی میں مختلف اصلاحی تحریکوں میں برہمو سماج، پرارتھنا سماج، اور مہارشی کردے جیسے لیڈروں کے زیر اثر زنانہ اسکول کھلتے جارہے تھے، لیکن مسلمانوں کے لیے پردہ ترک کرنے کا مسئلہ ایسا تھا کہ جس کے بارے میں سوچنا ہی محال تھا۔شمالی ہندوستان کی ہندو سوسائٹی میں بھی پردہ بہت

حد تک موجود تھا۔اس صورت میں اسکول میں پڑھنا اور عیسائی مذہب اختیار کرنا ہم معنی سمجھا جاتا تھا۔

۱۸۵۷ء کے خونی انقلاب کے بعد ہی سرسید نے ہندوسانی مسلمانوں کو جدید تعلیم کے مواقع فراہم کرانے کے لیے عملی کوششیں شروع کردی تھیں۔ وہ جس اعلیٰ پیمانے پر ایک مسلم یونیورسٹی کو قائم کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے اس کی تکمیل اسی وقت ممکن ہوتی جب ولایت جا کر وہاں کے طرز تعلیم اور اصول تدریس سے بذات خود واقفیت بہم پہنچائیں۔اتفاق سے برطانوی حکومت نے ہندوستان کے ذہین اور لائق طلبہ کو لندن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے چھ ہزار کے نو وظیفے دینے منظور کیے۔اس کے علاوہ ہر طالب علم کے لیے تین ہزار روپیہ آمد ورفت کے اخراجات کے بھی منظور کیے۔اتر پردیش کی سرکار نے سرسید کے فرزند سید محمود کو اس وظیفے کے لیے مستحق قرار دیا۔حکومت کے اس فیصلے سے سرسید کے ارادے کو زبردست تقویت پہنچی اور یہی سرکاری امداد ان کو ولایت تک کے سفر کے لیے ان کی دیرینہ آرزو کی تکمیل بنی۔سرسید پانی کے جہاز میں سوار تھے اس میں ان کی ملاقات مس کارپنٹر سے ہوئی جو برسٹیل کی رہنے والی تھی اور کلکتہ اور بمبئی میں ہندوستانی عورتوں کی تعلیم کے لیے کام کرچکی تھی۔مس میری کارپنٹر ۱۸۶۶ء میں ہندوستان میں تعلیم نسواں کے فروغ کے لیے آئی تھی اور ایشور چندر ودیّا ساگر سے مل کر کلکتہ میں تعلیم نسواں کا کام کیا اور لڑکیوں کا نارمل اسکول قائم کیا تاکہ لڑکیوں کو پڑھانے کے لیے استانیاں تیار ہوسکیں۔

مس کارپینٹر راجہ رام موہن رائے کی بھی عقیدت مند تھی اور انھوں نے بتایا کہ راجہ رام موہن رائے ان کے والد بزرگوار سے ملنے برسٹل گئے اور اسی کے گھر میں رہتے تھے اور وہیں انتقال ہوا۔انھوں نے راجہ رام موہن رائے سے ہندوستانی خواتین کی جہالت اور زبوں حالی کا ذکر سنا تھا چنانچہ عورتوں کی اصلاح اور تربیت کا جذبہ انھیں ہندوستان کھینچ لایا۔

مس کارپینٹر نے سرسید سے فرمائش کی کہ وہ ان کی نوٹ بک میں ہندوستانی عورتوں کی تعلیم وتربیت کے مسئلے پر اظہار خیال تحریر فرمائیں چنانچہ سرسید نے اس میں مندرجہ ذیل عبارت لکھی:

''بہرحال میں خدا سے چاہتا ہوں کہ مس کارپینٹر صاحبہ کی کوششیں کامیاب ہوں اور ہندوستان میں کیا عورت کیا مرد سچائی اور علم کی روشنی سے جو دونوں اصل میں ایک ہیں، روشن ضمیری حاصل کریں۔''

۲رمئی ۱۸۶۹ء کو وہ پیرس کے وارسیل محل کے عجائب خانے میں ایک تصویر کو دیکھ کر اسے عورتوں کی تذلیل سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اس تمام تصویر خانے میں صرف ایک ہی بات تھی جو فرنچ کی شجاعت اور سویلیزیشن (تہذیب وشائستگی) کو بٹہ لگاتی تھی اور مجھ کو اسے دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ ایسی بہادر اور شجاع اور سپاہی قوم نے جو سویلیزیشن کے زیور سے بھی نہایت آراستہ ہے ایسی عجیب بات جوان خوبیوں کے برخلاف ہے۔ کیوں کر کی ہے؟

الجزائر کے محاربات کی تصویروں کے کمرے میں امام عبدالقادر کی عورتوں کو گرفتار کرنے کی تصویریں بنائی ہے۔ ان کی عورتیں اونٹ پر کجاوے میں تھیں، فرنچ سپاہیوں نے اونٹ کو بٹھا کر کجاوہ گرادیا ہے اور عورتیں اس میں سے نکل پڑی ہیں اور ان کے بدن سے کپڑا ہٹ گیا ہے اور فرنچ سپاہی سنگین اٹھائے ہوئے اور ان کی نوکیں عورتوں کی طرف کیے ہوئے کہ گویا اب ماریں گے۔ گرد کھڑے ہوئے ہیں۔ کیا فرنچ کو یہ زیبا تھا کہ عورتوں کی گرفتاری کی تصویر اپنے محل میں لگاتے؟ کیا عورت پر سنگین سیدھی کرنی اور اس کو کجاوے میں گرادینا فرنچ سپاہیوں کی بہادری کی یادگار تھی؟ کیا ایک عورت کا تصویر میں کپڑا بدن سے ہٹا ہوا بنا دینا (بالفرض اگر ایسا ہوا بھی ہو) فرنچ کی سویلزیشن کے مناسب تھا؟

اس تصویر کا ذکر کرتے ہوئے سرسید کہتے ہیں کہ ایک غیرت مند مسلمان کے لیے ان عورتوں کو ایسی بے کسی کے عالم میں دیکھنا آنکھوں سے خون ٹپکانے کے لیے کافی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ''اس تصویر کو فرینچ سپاہ کی بہادری کی یادگار سمجھنا اور عورت کا کپڑا بدن پر سے ہٹا ہوا بنانا فرانس کے لیے قابل شرم ہے اور اس کی شائستگی کو دھبہ لگاتا ہے۔''

پیرس میں سرسید ایک دوکاندار لڑکی کے حسن اخلاق سے بے حد متاثر ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ عورت نہایت خوش لباس پہنے ہوئے کس طرح بلبل کی طرح انگریزی بولتی ہے۔ نہایت شائستہ گفتگو کرتی ہے اور سرسید اور ان کے ہم سفروں کو دستانے پہناتی ہے۔ پیرس میں ڈنر پر جانے کے لیے لیڈیز سے ملنے کے لیے اور حکمران وقت سے ملنے کے لیے دستانے پہننا ضروری ہیں۔

سرسید لکھتے ہیں:

> ''وہ عورت چار زبانیں جانتی تھی، فرینچ، جرمن، اٹالی، انگریزی اور چاروں میں نہایت عمدہ گفتگو کرتی تھی اور یہ صرف اس لیے سیکھی تھی کہ جس ملک کا خریدار آوے اس سے بآسانی گفتگو کر سکے۔''

انگلستان کے قیام کے دوران سرسید چند انگریز خواتین کے حسن و اخلاق اور کارکردگی سے بہت متاثر ہوئے، تہذیب و شائستگی کے ان نمونوں پر وہ بڑی حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔

لندن میں اپنے قیام کے دوران سرسید جس مکان کے ایک حصے میں کرایہ دار کے طور پر رہتے تھے وہ مسٹر جے لڈلم کا تھا۔ مسٹر لڈلم کے اس مکان میں سرسید کے تصرف میں چھ کمرے تھے، جس میں چار بیڈ روم علاحدہ علاحدہ چار لوگوں کے لیے تھے۔ ایک ڈرائنگ روم اور ایک کھانے کا کمرہ تھا۔ مسٹر لڈلم نہایت لائق اور قابل انسان تھے اور کئی علوم سے واقف تھے اور جب فرصت ملتی تو رات کی مجلسوں

میں کیمسٹری، بایولوجی اور زولوجی وغیرہ پر لکچر ہوتے تھے۔

وہ اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے، انھیں آفس جانے اور جلسہ جلوس میں شرکت کرنے کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ ان کی بیگم نے اپنے شوہر کو تمام گھریلو ذمہ داریوں سے آزاد کر رکھا تھا، وہ ایسی تعلیم یافتہ شائستہ اور نیک بی بی تھیں کہ بقول سرسید ''زبان اس کی خوبیاں بیان کرنے سے قاصر ہے۔ تہذیب اور اخلاق اور ادب اور انسانیت سب چیز کی مجسم ہے۔ تمام کام اور تمام معاملات خانہ داری کے نہایت لیاقت سے خود کرتی ہے۔'' مسٹر لڈلم کے دو بہنیں مس ایلن ویسٹ اور مس فینی ویسٹ بھی انھیں کی طرح پڑھی لکھی تھیں۔ ان میں سے ایک ایلن ویسٹ مطالعے کی بلا کی شوقین تھیں، حتی کہ بیماری کے دوران بھی سرسید سے کتاب پڑھنے کے لیے منگا بھیجتی تھیں۔

سرسید کے لیے یہ تجربہ ناقابل فراموش تھا کہ ایک عورت عالم بیماری میں کتب بینی سے دل بہلائے اور پھر مذہبی موضوع سے متعلق اس کتاب پر تبصرہ کرنے کی اہلیت بھی رکھے۔ اپنی مکان مالکہ اور اس کی بہن کی تعلیم و تربیت اور شائستگی سے متاثر ہو کر وہ اپنے سفر نامے میں یوروپین اور ہندوستانی خواتین کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بس اب سمجھنا چاہیے کہ متوسط درجے سے کس قدر کم درجے کی عورتوں کی تو کیسی عمدہ تعلیم ہے۔ کیا یہ تعجب انگیز بات نہیں کہ ایک عورت حالت بیماری میں کتاب پڑھنے سے دل بہلائے۔ آپ نے ہندوستان میں کسی امیر کسی نواب کسی راجہ کسی مرد اشراف کو ایسی خصلت کا دیکھا ہے؟
>
> اگر ہندوستان میں کوئی عورت بالکل برہنہ بازار میں پھرنے لگے تو ہمارے ہم وطنوں کو کیسا تعجب اور کس قدر حیرت ہوگی۔ بلا مبالغہ یہ مثال ہے کہ جب یہاں کی عورتیں یہ سنتی ہیں کہ

ہندوستان کی عورتیں پڑھنا لکھنا نہیں جانتیں اور حلیہ ترتیب اور زیور نور سے بالکل برہنہ ہیں تو ان کو ایسا ہی تعجب ہوتا ہے۔اور کمال نفرت اور کمال حقارت اس کے خیال میں گزرتی ہے۔''

سرسید کی مہربان لینڈ لیڈی نے ان کے گھریلو کاموں کے لیے دو خادماؤں کو بھی رکھ چھوڑا تھا، جن کے نام اینبی اسمتھ ،ایلزبیتھ میتھیوز تھے۔انگلستان کی یہ معمولی خادمائیں بھی وقت کی پابند اور فرض شناس تھیں اور ہر خدمت خندہ پیشانی سے بجالاتی تھیں۔انگلستان کی یہ خواتین اپنی لیاقت ،تہذیب وشرافت اور فرض شناسی سے سرسید کو بے حد متاثر کرتی ہیں جس کا حال وہ بڑی تفصیل اور ذوق و شوق سے اپنے دوست راجہ جے کشن داس کو خط میں تحریر کرتے ہیں:

اگر ہندوستان میں جاوے اور اچھے سے اچھے آدمیوں کی عورتوں سے ملے تو ان کو محض جانور سمجھے اور نہایت حقارت سے ان سے نفرت کرے۔یہ صرف نتیجہ عام تعلیم وتربیت کا ہے۔''

لندن میں اپنے سترہ ماہ کے قیام کے دوران سرسید احمد خان جہاں انگریز خواتین کی تعلیم وتربیت کے دلدادہ نظر آتے ہیں وہیں وہ مصر اور ترکی مسلم خواتین کی تہذیب وشائستگی پر باغ باغ ہو جاتے ہیں۔مصر کی ایک مسلمان لڑکی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

''روم اور مصر دونوں میں روز بروز تعلیم کی ترقی ہے، عورتیں بھی روز بروز بہت زیادہ پڑھی لکھی ہوتی جاتی ہیں۔مصر کی ایک مسلمان لڑکی کا میں نے حال سنا ہے کہ سوائے عربی زبان کے جو اس کی اصل زبان ہے اور جس میں وہ نہایت فصاحت سے لکھتی پڑھتی ہے۔فرینچ زبان بھی نہایت خوب بولتی ہے اور لیٹن اس قدر جانتی ہے کہ جو مضمون یا شعر اس کے سامنے رکھا جائے اس کو پڑھ لیتی ہے اور مضمون سمجھ لیتی ہے۔ اس کے بھائی نے فرانس

میں تربیت پائی تھی جب وہ اپنے گھر گیا تو اس کی بہن نے جس کو پڑھنے کا بہت شوق تھا اور اپنے کنبے کے بزرگوں سے اس نے اپنی زبان عربی میں بہت کچھ پڑھا تھا۔

اپنے بھائی سے فرینچ اور لیٹن سیکھ لی۔'' سرسید احمد خان نے مسلم معاشرے میں پھیلی خرابیوں کو دور کرنے اور عمدہ تہذیب پیدا کرنے کے لیے ۲۹ نکات کا منشور بھی تیار کیا تھا اور ان کی اصلاح کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا۔ ان نکات میں سے تین نکات خاص طور سے عورتوں سے متعلق تھے۔ سرسید چاہتے تھے کہ لڑکیوں کی تعلیم اور دستکاری سکھانے کا انتظام ہونا چاہیے۔ وہ رفاہِ عورتوں کی حالت میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے پر زور دیتے تھے۔ وہ کثرتِ ازدواج کے بھی قائل نہیں تھے جب کہ اسلام چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے، مگر سرسید کا خیال تھا کہ احکام خداوندی کے خلاف کئی بیویوں سے سلوک کرنے سے بہتر ہے تعداد ازدواج سے پرہیز کیا جائے۔''

سرسید کو لندن میں اپنے قیام کے دوران دو مرتبہ ملکہ وکٹوریہ سے ملنے کا موقع ملا۔ پہلی مرتبہ ۶ر نومبر ۱۸۶۹ء کو جب وہ ایک پُل کا افتتاح کرنے آئی تھیں اور دوسری مرتبہ ۱۱ر مارچ ۱۸۷۰ء کو ملکۂ معظّمہ کے شاہی محل میں جہاں سرسید نے ملکہ کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔

ملکہ وکٹوریہ سرسید سے دو سال چھوٹی تھیں اور وہ ملکہ کی شان و عظمت کو ان کی مادرِ مشفقہ کی تعلیم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، اور ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر ہی سرسید نے بھی اپنے اسکول کا افتتاح ملکہ وکٹوریہ کی سال گرہ تاریخ پیدائش ۲۴ر مئی ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ میں ''مدرستہ العلوم مسلمانانِ ہند'' کے قیام کے بعد ۱۲ر نومبر ۱۸۷۵ء کو سرسید نے سر ولیم میور کو وزیٹر کی حیثیت سے ابتدائی مدرسے میں مدعو

کر کے شاندار استقبالیہ دیا اور بیگم میور کے ہاتھوں ایک درخت لگوا کر میور پارک کا افتتاح فرمایا۔ گویا مدرسے کے ابتدائی زمانے میں ہی اس ادارے میں عورت کی عظمت اور اس کے رتبے کو تسلیم کیا گیا۔ تعلیم نسواں کے متعلق سرسید احمد خاں کا جو نظریہ تھا اس کا اندازہ ہمیں موجودہ دور کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہو جاتا ہے۔ یہ یونیورسٹی نہ صرف ہندوستان میں بلکہ غیر ممالک میں بھی ایک اہم تعلیمی ادارہ مانا جاتا ہے اور یہاں .P.G کورسوں کے ساتھ ساتھ بہت سارے ٹیکنکل کورسیز بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ علی گڑھ میں تعلیم نسواں کا دائرہ صرف ویمنس کالج تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ یونیورسٹی میں طلبا کے ساتھ ساتھ طالبات کی کثیر تعداد ہر سال رہتی ہے۔ اسی لیے سپریم کورٹ کی ایڈوکیٹ رعنا پروین صدیقی صاحبہ کا کہنا ہے کہ اے۔ایم۔یو سے دخترانِ ملت کی ایک بڑی تعداد ہر سال اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو کر نکلتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ایک ماں کی آنکھوں میں اپنے بچے کو علم کے اخلاق تک پہنچانے کا ہی خواب ہوگا۔ اب دخترانِ ملت بھی سرسید کے مشن کو آگے بڑھانے میں سرگرمِ عمل ہیں۔

☆☆☆